ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ڈاکٹر نبیل احمد نبیل ❁
محمد عثمان ❁❁

ڈاکٹر عبدالغفار شکیل کی لسانی تحریریں: تحقیق و تجزیہ

Linguistic Writings of Dr. Abdul Ghaffar Shakeel: Research and Analysis

By *Dr. Nabeel Ahmed Nabeel, Assoc. Prof. of Urdu, Division of Islamic and Oriental Learning, University of Education, Lower Mall Campus, Lahore.*
Muhammad Usman, PhD Scholar, Dept. of Urdu, Minhaj University, Lahore.

ABSTRACT

Aligarh Muslim University (AMU) has a key role in the development of Urdu language and literature since its inception. Dr. Abdul Ghaffar Shakeel (1929-2016) was one of those renowned linguists who performed their services at Urdu and Linguistics Department of AMU. This paper presents his linguistic writings with special reference to his two books on language and linguistics named *Zaban-o-Masail-e-Zaban* (1974) and *Lisani-o-Tahqeeqi Mutalay* (1975). Language, dialects, beginning of Urdu, Daccani Urdu, linguistic issues and future of language are some of his major linguistic writing areas. Some views related to structuralism and language derived from the concepts of Ferdinand de Saussure (1857-1913) may also be observed in his writings. Furthermore, he focused on the social aspects of language. He also analyzed the development of Daccani Urdu from 1375 to 1746. The language formula comprised of Urdu and Hindi named Hindustani presented by Gandhi was also analyzed by Mr. Shakeel. He is of the view that the two languages are very different from each other especially at literary level. Through this article, his language thoughts have been analyzed on the basis of modern linguistic concepts.

❁ ایسوسی ایٹ پروفیسر، ڈویژن آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ، یونی ورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور
❁❁ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبۂ اردو، منہاج یونی ورسٹی، لاہور

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

Keywords: Dr. Abdul Ghaffar Shakeel, language, dialects, Daccani Urdu, linguistics, structuralism, language variation.

علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کا اپنے قیام سے ہی اُردو زبان و ادب کی ترقی اور ترویج میں نمایاں کردار رہا ہے۔ ڈاکٹر عبدالغفار شکیل (۱۹۲۹ء۔ ۲۰۱۶ء) اُردو لسانیات کے میدان میں ایک ایسا نام ہے، جو علی گڑھ مسلم یونورسٹی کے شعبۂ اُردو اور لسانیات سے وابستہ رہے۔ اِس مقالے میں اُن کی لسانی خدمات کو اُن کی دو لسانی کتب ''زبان و مسائلِ زبان'' (۱۹۷۴ء) اور ''لسانی و تحقیقی مطالعے'' (۱۹۷۵ء) کے خصوصی تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔ زبان، بولیاں، دکنی اُردو کا آغاز و ارتقا، لسانی مسائل اور زبان کا مستقبل جیسے اہم مباحث اُن کی لسانی تحریروں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ اُنھوں نے فرڈی ناں ڈی سوسئیر (Ferdinand de Saussaure/1857-1913) کے پیش کردہ لسانی تصورات جو بعد ازاں ساختیات کی بنیاد بنے، سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اُن کے لسانی مضامین میں زبان کے سماجی پہلوؤں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اُنھوں نے ۱۳۷۵ء سے لے کر ۱۷۴۶ء تک دکنی اُردو کے ارتقا پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ وہ گاندھی کے اُردو اور ہندی کو ملا کر ہندوستانی بنانے والے لسانی فارمولے کو بھی زیرِ بحث لائے ہیں۔ وہ اُردو اور ہندی کو بالخصوص ادبی اعتبار سے دو بالکل جداگانہ زبانیں قرار دیتے ہیں۔

علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں شعبۂ اُردو کا قیام ۱۹۳۴ء کو عمل میں آیا، جس کے پہلے استاد رشید احمد صدیقی (۱۸۹۴ء۔۱۹۷۷ء) تھے۔ وہاں شعبۂ لسانیات کی بنیاد ڈاکٹر مسعود حسین خاں (۱۹۱۹ء۔۲۰۱۰ء) نے ۱۹۶۸ء میں رکھی۔ اُردو لسانیات کی اُس روایت کو آگے بڑھانے میں ڈاکٹر عبدالغفار شکیل (۱۹۲۹ء۔۲۰۱۶ء) نے نمایاں کردار ادا کیا۔ وہ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ کے شعبۂ اُردو اور لسانیات سے منسلک رہے ہیں اور وہاں تدریسی و انتظامی فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں۔ وہاں سے وہ بحیثیت صدر شعبۂ لسانیات ریٹائر ہوئے۔ اُنھوں نے یونی ورسٹی آف شکاگو کے شعبۂ لسانیات و جنوب ایشیائی زبانیں اور تہذیب کے پروفیسر ایمریطس نارمن ایچ زائڈ (Norman H. Zide: 1928) کے ساتھ مل کر ہندوستان کے کئی علاقوں بالخصوص اوڑیسہ اور بہار میں لسانی سروے کیا، جہاں قبائلی زبانیں بولنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ ''زبان و مسائلِ زبان'' (۱۹۷۴ء) اور ''لسانی و تحقیقی مطالعے'' (۱۹۷۵ء) کے علاوہ ''ابوالکلام کے افسانے (مرتبہ)'' (۱۹۶۱ء)، ''نوادرِ ابوالکلام'' (۱۹۶۲ء)، ''نوادرِ اقبال: نسخہ نوادرات'' (۱۹۶۲ء) اور ''اقبال کے نثری افکار'' (۱۹۷۷ء) اُن کی دیگر نمایاں کتابیں ہیں۔ لسانیات اور علمِ زبان کے حوالے سے اُن کے نمایاں مباحث میں زبان اور لسانیات، زبان اور

بولیاں، اُردو زبان کا آغاز، دکنی اُردو کی ابتدا و ارتقا: ایک مختصر خاکہ، گاندھی جی اور ہند کے لسانی مسائل، اور پنڈت جواہر لال نہرو اور اُردو شامل ہیں۔ یہ مضامین بنیادی طور پر زبان کی نوعیت، زبان کے اجزائے ترکیبی، زبان کے نظام کی تشکیل، زبان اور لسانیات کا تعلق، لسانیات کے تناظر میں زبان اور بولی میں فرق، اُردو اور دکنی اُردو، اور ہندی اور اُردو کے لسانی اختلافات کے علاوہ سرسید کی اولین اور غیر مطبوعہ تصنیف (ایک تعارف)، اُردو پنجابی سے نکلی۔ نظریہ شیرانی نہیں، میسور کی دکنی اُردو، زبان کی اہمیت خواجہ غلام السیدین کی نظر میں، احتشام حسین کی لسانی تحریریں، اور زبان کا مستقبل شامل ہیں۔ زبان اور لسانیات کے تناظر میں بات کرتے ہوئے عبدالغفار شکیل کا خیال ہے کہ زبان سماج کی پیداوار ہے جو ایک پیچیدہ نظام پر مشتمل ہے مگر اِس کے اجزا انتہائی منظم و مربوط ہوتے ہیں۔ اُن کے خیال میں زبان کو ''زبان'' اِس لیے کہتے ہیں کہ اِس کی ادائیگی میں اِس عضو کا استعمال ہوتا ہے۔ زبان کا تعلق سماج کے ساتھ اِس قدر گہرا ہے کہ یہ سماج کے ہر پہلو کو متاثر کرتی ہے جس میں سب سے نمایاں کلچر ہے۔ زبان کا تعلق بنیادی طور پر بولنے اور سننے سے ہے اور اِس مقصد کے لیے مخصوص صوتی علامتیں استعمال کی جاتی ہیں جن کی بدولت انسان آپس میں ایک دوسرے سے اپنا مافی الضمیر بیان کرتے ہیں۔ اِس میں تمام قسم کے اشارے اور حرکات و سکنات بھی شامل ہیں۔ زبان کی تحریری حالت کو بھی اِس میں شامل کیا جاتا ہے مگر اِسے ثانوی حیثیت دی جاتی ہے کیوں کہ اولین اور ابتدائی حیثیت زبان کی بول چال کی حالت کو حاصل ہے اور یہی درحقیقت زبان کی اصل شکل ہوتی ہے۔ عبدالغفار شکیل نے زبان کی تعریف کے حوالے سے ایل ایچ گرے (L. H. Gray/1875-1955) کی زبان کے حوالے سے تحریر کردہ معروف کتاب زبان کی بنیادیں Foundations of Language سے استفادہ کیا ہے۔ اِس ضمن میں عبدالغفار شکیل لکھتے ہیں:

> زبان اپنے وسیع اور تمام تر مفہوم میں کسی بھی جاندار مخلوق کے جذبات و خیالات کو دوسرے کسی جاندار پر ظاہر کرنے کا نام ہے۔ اپنے مخصوص اور واجبی مفہوم میں زبان بولنے اور سننے کے واسطے سے اختیاری صوتی علامات کا ایک نظام ہے جسے کسی سماج میں انسانوں کی ایک جماعت نے تسلسل روایت اور استعمال عام کی بنا پر اپنے جذبات و خیالات کے ذریعہ کے طور پر تسلیم کیا ہو۔ اپنے مخصوص اور اشتقاقی مفہوم میں زبان کا اطلاق انسانوں میں خیالات و جذبات کے دیگر ذریعوں مثلاً اشارات، حرکات و سکنات، تحریروں، پتھروں پر کندہ نقوش وغیرہ پر ہوتا ہے۔(۲۲)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

زبان کی اِس تعریف کے تین حصے ہیں۔ اُن میں ایک حصہ زبان کے عمومی پہلو کی طرف اشارہ کرتا ہے، جس میں کسی بھی ایک جاندار کا دوسرے جاندار پر اپنے جذبات و خیالات کو ظاہر کرنا شامل ہے اور اِس میں دنیا کے تمام جان دار اور دنیا کی تمام زبانیں شامل ہیں۔ دوسرے دونوں حصے مخصوص پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جس میں دوسرا حصہ اختیاری صوتی علامات کے نظام پر بات کرتا ہے۔ یعنی کسی سماج میں انسانوں کے مخصوص گروہ نے آپس میں رابطے کے لیے جو زبان اختیار کی ہے، وہ اپنا مخصوص صوتی علامات کا نظام رکھتی ہے۔ تیسرا حصہ اشارات، حرکات و سکنات اور زبان کی تحریری حالت کی عکاسی کرتا ہے جس میں زبان کے اشتقاقی پہلو کی عکاسی کی گئی ہے۔ ایل ایچ گرے نے زبان کی اس تعریف کو صراحت سے بیان کیا ہے۔[۲] زبان کی یہ تعریف نہایت جامع تعریف ہے۔ لسانیات میں عموماً زبان کا مفہوم بنیادی طور پر بول چال کی زبان ہی لیا جاتا ہے۔

زبان کی پیش کردہ اِس تعریف میں دو اہم لسانی اصطلاحات کا ذکر ہوا ہے جن کے گرد زبان سے متعلق تمام بحث گردش کرتی ہے۔ اِن میں اختیاری صوتی علامات اور نظام شامل ہیں۔ جہاں تک بات اختیاری صوتی علامات کی ہے تو اِس ضمن میں انسانی آوازوں کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ انسانی آوازیں ہی زبان کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ عبدالغفار شکیل کے نزدیک یہاں آوازوں سے مراد وہ آوازیں ہیں جو انسان کے صوتی اعضا یعنی پھیپھڑے، حنجر تالو، دانت مسوڑھے، ناک، خلائے دہن، جیب اور ہونٹ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب اعضائے نطق ہیں جن سے زبان میں استعمال کرنے والی مختلف آوازیں ادا کی جاتی ہیں۔[۳] اِنھی آوازوں کا مجموعہ لسانی اصطلاحی اعتبار سے صوتی آوازیں کہلاتا ہے۔ کچھ آوازیں ایسی ہوتی ہیں جو کوئی صوتی قدر (Phonetic value) نہیں رکھتیں مثلاً کھانے، پینے، رونے، کھانسنے وغیرہ کی آوازیں، اِنھیں صوتی آوازوں کے زمرے میں شامل نہیں کیا جاتا۔

دوسری طرف جہاں تک بات زبان کے نظام کی ہے تو یہ معاملہ بھی انسانی آوازوں سے ہی متعلق ہے۔ انسانی آوازوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے، جو مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں۔ مگر زبان ہر انسانی آواز کو اپنا نہیں سکتی بلکہ دنیا کی ہر زبان مخصوص انسانی آوازوں کو ایک خاص نظم یعنی ترتیب و ترکیب کے ساتھ اپناتی ہے اور پھر اسے استعمال میں لاتی ہے، جس سے اُس زبان کے الفاظ تشکیل پاتے ہیں۔ زبان کا انسانی آوازوں کو ایک مخصوص ترتیب و ترکیب کے ساتھ استعمال میں لانا ہی زبان کا نظام کہلاتا ہے، جو ہر زبان کا دوسری زبان سے مختلف ہوتا ہے۔ زبان لسانی علامتوں کے نظام کو تشکیل دیتی ہے جو مخصوص معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ عبدالغفار شکیل کے نزدیک صوتی علامات کے لیے اختیاری کا لفظ اِس لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ صوتی علامتیں یعنی الفاظ اور اُن کے

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

اجزا اُن تجربوں یا مادی چیزوں سے کوئی منطقی یا فلسفیانہ یا طبعی تعلق نہیں رکھتے جن کے اظہار کے لیے اُن کا استعمال کیا جاتا ہے۔[۴] لفظ ''زبان'' چوں کہ ایک وسیع اصطلاح ہے اور کئی معنوں میں مستعمل ہے لہٰذا اِسے واضح کرنے کے لیے عبدالغفار شکیل نے فرانسیسی زبان میں اِس لفظ کے لیے استعمال ہونے والے تین علیحدہ الفاظ کی طرف اشارہ کیا ہے جو بنیادی طور پر فرڈی ناں ڈی سوسئیر کے لسانی تصورات سے اخذ کیے گئے ہیں اور وہ ساختیات کی بنیاد ہے:

فرانسیسی اصطلاح	انگریزی اصطلاح	اُردو اصطلاح
Langage	Language	زبان
Langue	Tongue	خصوصی زبان
Parole	Speech	فرد بولی

زبان (Langage/Language) سے مراد دنیا کی کسی بھی زبان میں جذبات وخیالات کے اظہار کے تمام مظاہر ہیں۔خصوصی زبان (Langue/Tongue) سے مراد دنیا کی الگ الگ یعنی مخصوص زبانیں ہیں جیسا کہ اُردو، انگریزی، ہندی وغیرہ۔فرد بولی (Parole/Speech/Idiolect) سے مراد کسی ایک فرد کی زبان یا طرزِ کلام ہے۔عبدالغفار شکیل کے خیال میں لسانیات کی رو سے زبان کا مطالعہ بنیادی طور پر تاریخی اور توضیحی یا تشریحی دوطریقوں سے کیا جاتا ہے اور کسی بھی ماہرِ لسانیات کے لیے اِن دونوں طریقوں سے کماحقہ واقفیت بہت زیادہ ضروری ہے۔ لسانیات کی شاخوں کے ضمن میں اُنھوں نے صوتیات، فونیمیات، صرفیات، نحویات اور معنیات جیسی پانچ شاخوں کی نشاندہی کی ہے اور دیگر سائنسی وسماجی علوم کے ساتھ لسانیات کے شعبہ جاتی تعلق کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ گیان چند جین (۱۹۲۳ء-۲۰۰۷ء) کے نزدیک ایک زبان کے بولنے والوں میں جس قدر ملنا جلنا ہوگا، اسی قدر ان کی بولی یکساں ہوگی۔[۵] زبان اور بولیوں کے تناظر میں عبدالغفار شکیل کا خیال ہے کہ زبان اور بولی دونوں کا تعلق چوں کہ زبان کی بول چال یعنی تقریری حالت سے ہوتا ہے لہٰذا لسانیات کے حوالے سے اِن دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔اُن کے نزدیک زبان (بولی) بولنے اور سننے کے واسطے سے صوتی علامات کا ایک ایسا نظام ہے جسے کسی انسانی جماعت (لسانی گروہ) نے اپنے خیالات وجذبات کے اظہار کے ذریعہ کے طور پر تسلیم کیا ہو۔[۶] بولی دراصل زبان کی ہی شکل ہوتی ہے جو کسی علاقے یا لسانی گروہ یا طبقے یا پیشے سے منسوب ہوتی ہے۔ زبان ہر وقت تبدیلیوں کے عمل سے گزرتی ہے جس کی وجہ سے زبان میں تنوع پیدا ہوتا ہے اور اِس کے نتیجہ میں زبان کئی شکلیں اختیار کر لیتی ہے جنھیں بولیوں کا نام دیا جاتا ہے۔ ایڈگر اے ایچ اسٹرٹیونٹ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

(Edgar H. Sturtevant/1875-1952) کے نزدیک بولی، کلام کی ایسی صورت ہے، جو اس کے بولنے والوں کے مابین سمجھنے کے اعتبار سے افتراقات نہیں رکھتی۔(۷) لسانی تغیر و تبدل کا عمل زبان کی صوتی، صرفی، نحوی اور معنوی چاروں سطحوں پر جاری رہتا ہے اور عبدالغفار شکیل کے نزدیک لسانی تغیر و تبدل کا بنیادی سبب فرد کی بولی (Parole) ہے جس کا اثر بعد میں پوری جماعت پر ہوتا ہے۔ الفاظ میں مستعمل آوازوں پر اثر انداز ہونے والی تلفظ کی تبدیلیاں صوتی تغیرات کہلاتی ہیں۔ اِن سے لفظ کی خارجی ہیئت تبدیل ہونے لگتی ہے جس سے لفظ اپنی اصل شکل کھو دیتا ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ لغات کے علاوہ اُس لفظ کی اصل ہیئت کا سراغ کہیں نہیں ملتا۔ صوتی تغیرات کے نتیجہ میں زبان کا صوتی نظام متاثر ہوتا ہے۔ صرفی تغیرات کی رفتار نسبتاً کم ہوتی ہے اور نحوی تغیرات کی رفتار اُس سے بھی کم ہوتی ہے۔ اِس ضمن میں اُنھوں نے غالب کی زبان کی مثالیں پیش کی ہیں جن میں سے ایک مثال ملاحظہ ہو:

غالب کی زبان: اور کی غزل لوگ میرے نام پر پڑھ دیتے ہیں۔ (خط بنام قاضی عبدالجلیل)

موجودہ اُردو: دوسروں کی غزل لوگ میرے نام سے پڑھ دیتے ہیں۔(۸)

کسی لفظ کے معنی میں تبدیلی (کمی یا اضافہ) یا پھر بالکل نیا اور الگ مفہوم معنوی تغیرات کے زمرے میں آتا ہے۔ ہر زبان میں یہ تبدیلیاں ضرورت اور موقع محل کے مطابق ہو رہی ہیں اور کسی زبان کو اِس سے مفر نہیں۔ دنیا کی مختلف زبانیں بولنے والے لوگوں کے آپسی رابطوں کی بدولت زبانیں ایک دوسرے سے الفاظ کا لین دین کرتی ہیں یعنی زبانیں ایک دوسرے کو بہت کچھ دیتی ہیں تو لیتی بھی ہیں۔ ایک زبان کے ایسے الفاظ جو کسی دوسری زبان کے الفاظ میں شامل ہوجاتے ہیں دخیل الفاظ (Borrowed words) کہلاتے ہیں۔ دنیا کی دوسری زبانوں کی طرح اُردو زبان میں دخیل الفاظ موجود ہیں۔ اُردو زبان میں عربی، فارسی، انگریزی اور دیگر زبانوں کے الفاظ کی شمولیت دخیل الفاظ کی نمایاں مثال ہے۔ عبدالغفار شکیل کے نزدیک اِس طرح کے لسانی تغیرات سے زبان کی فطرت اور اصل پر براہ راست کوئی اثر نہیں پڑتا مگر اُس کا روپ کسی قدر بدل جاتا ہے۔(۹) دخیل الفاظ کے حوالے سے اُنھوں نے ہندی میں کاغذ کو 'کاگج' اور جہیز کو 'جہیج' جب کہ اُردو میں lantern سے 'لالٹین' اور Report سے 'رپٹ' جیسی مثالیں پیش کی ہیں۔ لسانی تغیرات کا تعلق زبان کی خارجی ہیئت (جس کا تعلق الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے) اور زبان کے باطنی سرمائے (جس کا تعلق الفاظ کے معنی کے ساتھ ہوتا ہے) کے ساتھ نہایت گہرا ہوتا ہے۔ لسانی تغیرات کے نتیجہ میں زبان میں پائی جانے والی یکسانیت متاثر ہوتی ہے جس کی بدولت زبان

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

میں تنوع پیدا ہوتا ہے۔ اِس سے نہ صرف ایک علاقے کے رہنے والے مختلف لوگوں کی زبان میں تبدیلیاں آتی ہیں بلکہ ہر دو علاقوں کی زبان میں بھی فرق پڑتا ہے جس سے بولیاں جنم لیتی ہیں۔ ایم ارنسٹ ریناں (M. Ernest Renan/1823-1892) اور ایف میکس مُلر (F. Max Muller/1823-1900) کے نزدیک زبان کا ارتقائی عمل انتشار سے اتحاد کی جانب سفر کرتا ہے۔ یعنی بولیوں سے زبان سامنے آئی۔ دوسری طرف ولیم ڈی وھٹنے (William D. Whitney/1827-1894) اس کے برعکس خیال ظاہر کرتا ہے کہ زبان پہلے آئی اور ارتقائی عمل سے گزرتے ہوئے متعدد بولیوں میں تقسیم ہوگئی۔(۱۰) عبدالغفار شکیل نے جارج ابراہم گریرسن (George Abraham Grierson/1851-1941) کی کتاب ''لسانی جائزہ ہند'' کی جلد نہم میں سے اُردو بولیوں کے چار نمونے پیش کیے ہیں، جن میں دلی کی اُردو، لکھنؤ کی بیگماتی اُردو، لکھنؤ کی قصباتی اُردو، اور بمبئی کی اُردو شامل ہیں۔ عبدالغفار شکیل اِس حوالے سے لکھتے ہیں:

> مختلف مقامات پر پیشوں اور طبقوں کے لوگوں میں تلفظ کے فرق اور استعمال زبان کی امتیازی خصوصیات بتدریج زبان کی سالمیت اور یکسانیت کو مجروح کر کے اُس میں انتشار اور تنوع پیدا کر دیتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زبان کی کئی قسمیں ہو جاتی ہیں جنھیں عام طور پر بولیاں (dialects) کہا جاتا ہے۔(۱۱)

زبان اور بولیوں سے متعلق عبدالغفار شکیل کے پیش کردہ تصورات کی روشنی میں زبان کئی بولیوں کا مجموعہ ہوتی ہے جو زبان کی بنیادی ترکیبی خصوصیات کی حامل ہونے کے باوجود اپنی صوتیات، صرف ونحو اور الفاظ کے سرمائے کے اعتبار سے اپس زبان سے کسی حد تک مختلف ہوتی ہیں اور اِسی وجہ سے وہ اپنے مخصوص لسانی گروہوں تک محدود رہتی ہیں۔ اُنھوں نے بولیوں کی چار بنیادی اقسام کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں وقیع بولی (Prestige dialect)، معیاری بولی(Standardized dialect)، ادبی بولی (Literary dialect) اور شخصی بولی (Idiolect) شامل ہیں۔ ایسی بولی جو دوسری بولیوں کو اپنی طرف مائل کرے اور دوسری بولیاں بولنے والے لوگ اُس بولی سے متاثر ہوں، وقیع بولی کہلاتی ہے۔ ایسی بولی جسے عوام کی اکثریت نے دوسری بولیوں کے مقابلے میں اعلیٰ تسلیم کر لیا ہو، معیاری بولی کہلاتی ہے۔ ادیبوں اور شاعروں کی بولی ادبی بولی کہلاتی ہے۔ انفرادی بولی شخصی بولی کہلاتی ہے جو فرد کی ذات کے گرد گھومتی ہے۔ لسانی اعتبار سے زبان اور بولی ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں مگر مفہوم کے اعتبار سے زبان کی حدود بولی کی نسبت وسیع ہوتی ہیں کیوں کہ تمام بولیوں بھی تو زبان میں شامل ہوتی ہیں۔ مزید یہ کہ اِس میں اعلیٰ و ادنیٰ کا سوال ہی پیدا نہیں

ہوتا۔ اِن دونوں میں ظاہری اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے جب کہ حقیقی اعتبار سے فرق موجود نہیں ہوتا۔

عبدالغفار شکیل نے اُردو زبان کے آغاز سے متعلق دستیاب مواد سے لسانی نتائج اخذ کرنے کے سلسلہ میں اُسے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے جن میں قدیم تذکرے، انیسویں صدی کی اُردو تحریریں، یورپی مصنّفین کی تحقیقات، اور موجودہ زمانہ کی تحقیقات شامل ہیں۔ قدیم تذکروں کے حوالے سے اُنھوں نے نکات الشعرا، مخزن نکات، تذکرہ میر حسن، تذکری مصحفی اور تذکرہ گلزار ابراہیم وغیرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قیاس آرائی پر مبنی اُس لسانی تصور کی بات کی ہے جس کے مطابق اُردو مسلمانوں کے ہندوستان آنے کے بعد عربی و فارسی الفاظ کے مقامی زبانوں میں شامل ہونے سے وجود میں آئی۔ یہ تصور جدید لسانی بنیادوں پر پورا نہیں اترتا کیوں کہ دو یا دو سے زیادہ زبانوں کے ملاپ سے کوئی نئی زبان وجود میں نہیں آسکتی۔ انیسویں صدی کی تحریروں کے حوالے سے اُنھوں نے میر امن دہلوی (۱۷۴۸ء-۱۸۰۶ء)، سر سید احمد خاں (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء)، انشاء اللہ خاں انشا (۱۷۵۲ء-۱۸۱۷ء) اور محمد حسین آزاد (۱۸۳۰ء-۱۹۱۰ء) جیسے ادیبوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن کے اُردو زبان سے متعلق تصورات بھی قیاس آرائی پر مبنی ہیں یعنی اُردو ایک مخلوط، ملواں، کھچڑی یا لشکری زبان ہے اور برج بھاشا سے نکلی ہے اور یہ بھی جدید لسانی بنیادوں پر پورا نہیں اترتے۔ یورپی مصنّفین کے حوالے سے اُنھوں نے جان گل کرسٹ (John Gilchrist/1759-1841)، جان شیکسپیئر (John Shakespeare/1774-1858)، ڈنکن فاربس (Duncan Forbes/1798-1848)، جان بیمز (John Beames/1837-1902) اور جارج ابراہم گریرسن (George Abraham Grierson/ 1851-1941) کی بات کی ہے۔ اِس میں سے سب سے زیادہ لسانی تحقیقی مواد گریرسن نے پیش کیا جس کے مطابق اُردو کا ڈول اور کینڈا دوسری بولیوں کی نسبت برج کے زیادہ قریب ہے اور یہ بھی محض قیاس آرائی پر مبنی غلط تصور ہے۔

موجودہ زمانے کی تحقیقات میں اُنھوں نے حافظ محمود شیرانی (۱۸۸۰ء-۱۹۴۶ء)، ڈاکٹر محی الدین قادری زور (۱۹۰۴ء-۱۹۶۲ء)، ڈاکٹر مسعود حسین خاں (۱۹۱۹ء-۲۰۱۰ء)، ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی (۱۸۹۰ء-۱۹۷۷ء) اور ڈاکٹر شوکت سبزواری (۱۹۰۸ء-۱۹۷۳ء) جیسی شخصیات کے لسانی نظریات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اِن سے متعلق اور اِن کے علاوہ اُردو برج بھاشا سے نکلی، سندھ سے نکلی، دکن سے نکلی، پنجاب سے نکلی، کھڑی بولی اور ہریانی سے نکلی، دہلی سے نکلی، پالی سے نکلی اور مہاراشٹر سے نکلی جیسے تصورات و نظریات شامل ہیں۔ اِن تمام نظریات کا مختصر جائزہ لینے سے پہلے عبدالغفار شکیل نے اُردو کے لسانی سرمائے کا جائزہ پیش کیا ہے تاکہ صحیح نظریے تک رسائی ممکن ہو سکے۔ اُردو کے تمام لسانی سرمائے کو اُنھوں نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے جن میں اُردو کی اصوات، اُردو

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

کے الفاظ، اور اُردو کے جملے بنانے کے قاعدے شامل ہیں۔ اِس ضمن میں اُن کی جامع رائے ملاحظہ ہو:

> اُردو کے اِس لسانی سرمایہ میں سے مفرد الفاظ جو دوسری زبانوں سے اُردو میں دخیل ہوئے ہیں اُن کا اُردو کے ماخذ اور آغاز سے کوئی تعلق نہیں باقی جو کچھ ہے وہ سب اُردو کا ہے۔ اُردو جب سے ہے اُردو کا یہ سرمایہ بھی اُسی وقت سے ہے۔ اُردو کا آغاز اُس کا آغاز ہے اور اُردو کا ارتقا اُس کا ارتقا ہے۔ اُردو آوازوں اور لفظوں کے اُس سرمائے کے سوا اور کوئی چیز نہیں لیکن اُس سرمائے میں جو چیز خاص اُردو کی ہے اور جس سے اُردو کی ہیئت (Form) بنتی ہے اور جس سے اُردو کی انفرادیت قائم ہے وہ اِس کی خصوصیات ہیں۔ جب سے اُردو میں یہ خصوصیات پیدا ہوئیں تب سے اُردو نے دوسری بولیوں سے الگ ایک زبان یا بولی کی حیثیت اختیار کرنا شروع کی۔ اِس سے پہلے اُردو دوسری بولیوں سے الگ نہ تھی اور جب سے اُردو میں یہ خصوصیات ابھرنے اور نمایاں ہونے لگیں تب سے اُردو کا آغاز ہوا۔(۱۲)

کسی زبان کی تشکیل اور اس کے ارتقا میں الفاظ سے زیادہ اس کی ساخت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اسی ساخت سے اس زبان کی وہ انفرادی خصوصیات ظاہر ہوتی ہیں، جو اسے دوسری زبانوں سے جدا کرتی ہیں۔ زبان کی ایسی خصوصیات اس کے ارتقائی عمل کے دوران مختلف ادوار میں خودکار طریقے سے سماجی ولسانی روابط سے نمودار ہوتی ہیں۔ دکنی اُردو زبان کے ارتقا کے سلسلہ میں عبدالغفار شکیل نے تین ادوار پر روشنی ڈالی ہے۔ پہلا دور عہد بہمنی ۱۳۵۷ء سے ۱۵۱۰ء تک مشتمل ہے۔ دوسرا دور عہد قطب شاہی و عادل شاہی، یعنی ۱۵۱۰ء سے ۱۷۱۰ء تک مشتمل ہے۔ تیسرا دور اورنگ زیب کی فتح دکن سے ہوتے ہوئے اس کی وفات کے تین سال بعد، یعنی ۱۷۱۰ء سے لے کر ۱۷۴۶ء تک شامل ہے۔ جہاں تک دکن میں زبان کے لیے دکنی نام کی بات ہے اس ضمن میں مسعود حسین خاں کا خیال ہے کہ اس زبان کا دکنی نام بہت زیادہ قدیم نہیں۔ عہدِ بہمنی کے کسی مصنف نے اپنی زبان کو دکنی نام سے نہیں پکارا ہے۔ اس کے ہندی، ہندوی اور گجری نام زیادہ قدیم ہیں۔ قطب شاہی اور عادل شاہی ریاستوں کے قیام کے بعد ہی اس کا نام دکنی پڑا ہے۔(۱۳) دکن میں اُردو کا نقطۂ آغاز وہاں ہونے والے علائی حملے ہیں مگر اس کا فروغ سلطان محمد تغلق کا ۱۳۲۷ء میں دولت آباد کو اپنا پایہ تخت بنانا ہے۔

عبدالغفار شکیل نے گاندھی کے سامنے ہندوستان میں درپیش چھ لسانی مسائل کا تذکرہ کیا ہے جن میں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

انگریزی کا مسئلہ، صوبائی زبانوں کا مسئلہ، شمالی ہند اور جنوبی ہند میں لسانی ہند یکجہتی کا مسئلہ، رسم الخط کا مسئلہ، ہندی اُردو نزاع کا مسئلہ، اور ہندوستان کی قومی اور مشترک زبان کا مسئلہ شامل تھے۔ ہندی اُردو نزاع کے حل کے لیے گاندھی نے ہندی اور اُردو کو ملا کر ہندوستانی کا نام دے کر اِس کی تشکیل اور فروغ کی بات کی اور فارمولا (ہندی+ اُردو = ہندوستانی) بھی پیش کیا۔ بقول گاندھی ہندی بھاشا میں اُسے کہتا ہوں جسے اتر میں ہندو اور مسلمان بولتے ہیں۔ آپ چاہے اُردو کہیں چاہے ہندی بات ایک ہی ہے۔ اُردو لکھاوٹ میں لکھ کر اُسے اُردو کا نام پکارئیے اور اُن ہی فقروں کو ناگری میں لکھ کر اُسے ہندی کہہ لیجیے۔(۱۴) اسی طرح پنڈت نہرو کے خیال میں ہندی اور اُردو ہندوستانی کے دو روپ ہیں، جن کی بنیاد ایک ہے۔ قواعد ایک ہے۔ ہندی کو ہندوؤں اور اُردو کو مسلمانوں کی زبان سمجھنا نہایت بے ہودہ بات ہے۔ اُردو سوائے اُس کے رسم الخط کے خالص ہندوستان کی پیداوار ہے اور آج بھی شمالی ہند میں ہندوؤں کی ایک کثیر تعداد کی گھریلو زبان ہے۔(۱۵) ہندوستانی کسی زبان کا نام نہیں رہا ہے مگر ہندوستان کی مناسبت سے وہاں سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جانے والی زبان یعنی اُردو (ہندی) کو نام دیا گیا جس سے اُردو اور ہندی کے مابین حائل خلیج کو کم کرنے کی کوشش کی گئی جس میں آج تک وہاں کسی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ فورٹ ولیم کالج کے زمانے میں اُردو کو ہندوستانی کا نام دیا گیا تھا اور گریرسن نے بھی اِسے ہندوستانی کے نام سے درج کیا ہے مگر لسانی اعتبار سے اِس نام کی کسی زبان کا برصغیر میں وجود نہیں رہا۔ اُردو یا ہندی کو ہندوستانی کا نام محض ہندوستان سے نسبت کی وجہ سے دیا گیا اِس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ بول چال کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو دونوں زبانوں میں فرق کم ہی دکھائی پڑے گا دونوں زبانیں ایک سی ہی دکھائی دیں گی۔ دونوں ہی کھڑی بولی کے دو جدید روپ ہیں۔ اگر کہیں فرق دکھائی دے گا تو ادب کی سطح پر یعنی دونوں کے ادب کی راہیں جدا جدا ہیں۔

اُردو قواعد پر لکھنے والوں میں انشاء اللہ خاں انشا کا نام اوّلین حیثیت کا حامل ہے، جن کی کتاب ''دریائے لطافت'' کے عنوان سے ۱۸۰۱ء میں سامنے آئی۔ یہ اشاعت کے بعد بھی کافی عرصہ تک عدم توجہی کا شکار رہی۔ عبدالغفار شکیل کے نزدیک یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ سرسید کو انشا کی ''دریائے لطافت'' کا علم تھا یا نہیں، قیاس یہی کہتا ہے کہ اُن کو اِس کا علم نہ ہوا ہوگا۔(۱۶) ڈاکٹر شکیل کی تحقیق کے مطابق سرسید کی اولین تصنیف اُردو زبان کی قواعد کے بارے میں تھی جو غیر مطبوعہ تھی۔ اِس کا واحد نسخہ جو سرسید کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں موجود ہے۔ یہ کتاب سرسید نے ۱۸۴۰ء میں لکھی جب وہ محض تیئیس برس کے تھے۔ کتاب کے سرورق کا عنوان ''قواعد صرف ونحو زبان اُردو'' درج ہے۔ اُن کے خیال میں اُردو کو غیر زبان بالخصوص انگریزوں کے ہاتھوں تلفظ اور زبان کے استعمال میں دیگر غلطیوں سے بچانے کے لیے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سرسید نے اُردو زبان کی یہ قواعد تصنیف کی۔ اِس حوالے سے عبدالغفار شکیل لکھتے ہیں:

> ہندوستان میں نووارد انگریزوں کے لیے اُردو نئی اور غیر زبان تھی لیکن اِس کا جاننا اور سیکھنا اُن کے لیے بہت ضروری ہو گیا تھا۔ اُردو جو انگریزوں کی مادری زبان نہیں تھی، اِس کو بدلتے ہوئے انگریز صحیح تلفظ نہ کر پاتے ہوں گے اور اہلِ زبان نہ ہونے کی وجہ سے الفاظ کے تلفظ، اُن کے صوتی اور صوتیاتی اختلافات اور اُن کے موقع و محل کے اعتبار سے اعتبار سے استعمال میں اُن سے اکثر غلطیاں بھی سرزد ہوا کرتی ہوں گی جیسا کہ عام طور پر نئی زبان بولنے والوں سے ہوا کرتی ہیں۔ چناں چہ سرسید نے اپنی زبان کو غیروں کے ہاتھوں بگڑنے سے بچانے اور اُس کے قواعد منضبط کرنے کے خیال سے اُردو قواعد تصنیف کی۔[۱۷]

زبان کے لیے قواعد بہرحال بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، اِس بات میں مجھے کوئی شبہ نہیں۔ مگر یہ منطق ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ قواعد کی کتاب لکھ کر، اور وہ بھی ایسی کتاب جو اشاعت پذیر تک نہ ہو سکی، اُس کی مدد سے اپنی زبان کو غیر زبان والوں سے بگڑنے سے کیسے بچایا جا سکتا ہے۔ چلیں خیر اِس اعتراض سے آگے چلتے ہیں۔ اُنھوں نے اِس غیر مطبوعہ کتاب کا تعارف کرایا ہے کہ اِس کے دو باب ہیں۔ پہلا باب الفاظ سے اور دوسرا باب جملوں سے بحث کرتا ہے۔ اِس میں صرف ونحو پر اُس دور کی سادہ زبان میں ابتدائی نوعیت کی باتیں کی گئی ہیں اور فارسی کی مستعمل اصطلاحات کو برتا گیا ہے۔ یہ بات تو بہرحال حقیقت ہے کہ ڈاکٹر شکیل کی تحقیق کی بدولت ہم سرسید کی اولین تصنیف سے آگاہ ہوئے۔

''پنجاب میں اُردو'' حافظ محمود شیرانی کی معروف تصنیف ہے، جس میں اُنھوں نے اُردو زبان پر تاریخی اور لسانی حوالے سے بات کی۔ ایسا کرتے ہوئے اُنھوں نے پنجاب کو مرکز بنایا ہے۔ اس ضمن میں اُنھوں نے اُردو اور پنجابی کے مابین پائی جانے والی لسانی مشابہتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ''اُردو پنجابی سے نکلی۔ نظریہ شیرانی نہیں'' کے عنوان سے عبدالغفار شکیل نے خیال ظاہر کیا ہے کہ حافظ محمود شیرانی وہ پہلے ماہر نہیں، جنھوں نے اُردو، پنجاب اور پنجابی پر بات کی۔ اس سلسلے میں وہ ''تذکرۂ اعجازِ سخن'' کو اولیت کا تاج پہناتے ہیں۔ خود شیرانی نے بھی اس جانب اشارہ کیا تھا کہ اُردو زبان کے آغاز کا سرزمین پنجاب سے منسوب ہونا کوئی نیا نظریہ یا عقیدہ نہیں۔ اس سے پیشتر پنڈت کیفی (بعقیدۂ خود مذاق کے طور پر) اور شیر علی سرخوش اپنے پر لفظ تذکرۂ اعجازِ سخن میں اس قسم کے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں۔[۱۸] عبدالغفار شکیل، حافظ شیرانی کے نظریے کی بنیاد سرخوش کے تذکرہ کو مانتے ہیں۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اُن کے نزدیک یہ تذکرہ مولانا شیرانی کی کتاب کی اشاعت یعنی ۱۹۲۸ء سے پہلے شائع ہوا اور اس میں اُردو کی ابتدا سے متعلق جو نظریہ پیش کیا گیا ہے، وہ مولانا شیرانی سے منسوب نظریے کا ماخذ بھی ہے۔[۱۹] ڈاکٹر شکیل کی یہ بات تو بالکل درست ہے کہ ''اعجازِ سخن'' کی اشاعت ''پنجاب میں اُردو'' سے قبل ہو چکی تھی، مگر یہ بات قطعیت سے کہنا مشکل ہے کہ یہ تذکرہ ہی واحد ماخذ ہے۔ حافظ شیرانی کے نظریے کے تاریخی اور لسانی پہلوؤں کے غلط یا صحیح استدلال پر بات کرنا یہاں مقصود نہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ جس انداز سے اُنھوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، وہ سرخوش کے ہاں موجود نہیں۔

اپنے مضمون ''میسور کی دکنی اُردو'' میں عبدالغفار شکیل نے پہلے میسور میں دکنی اُردو کے آغاز و ارتقا کو مختصراً بیان کیا ہے۔ خلجی دور میں دکن کی فتوحات کے ساتھ ہی اُردو کے خدوخال بھی وہاں نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا، جب میسور میں بھی اُردو کے آثار واضح ہونا شروع ہوئے۔ جب اُردو کو شاہی سرپرستی میسر آئی تو اس کا سفر محض بول چال کی زبان سے ادبی زبان کی جانب طے ہونے لگا۔ ان کے خیال میں دکنی اُردو اور شمالی ہند کی یا جنوبی ہند کے دوسرے صوبوں کی اُردو کچھ الگ نہیں۔[۲۰] یہاں ان کے پیش نظر اُردو پر شمالی ہند کے وہ اثرات ہیں، جو یہ جہاں بھی گئی، اس نے قبول کیے۔ اس کے علاوہ اُردو نے مقامی اثرات بھی قبول کیے ہیں۔ میسور میں ایسے اثرات کنڑی زبان کی صورت میں نمایاں طور پر ملتے ہیں۔ پھر اُنھوں نے میسور میں جو دکنی اُردو رائج ہے، اُس کی صوتی، صرفی، نحوی اور دیگر لسانی خصوصیات پیش کیں۔

''زبان کی اہمیت خواجہ غلام السیدین کی نظر میں'' کے عنوان سے اُنھوں نے خواجہ غلام السیدین (۱۹۰۴ء-۱۹۷۱ء) کی کتاب ''زبان، زندگی اور تعلیم'' (۱۹۷۱ء) کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ ''احتشام حسین کی لسانی تحریریں'' میں اُنھوں نے احتشام حسین (۱۹۱۲ء-۱۹۷۲ء) کی لسانی خدمات کا جائزہ پیش کیا ہے۔ عبدالغفار شکیل کی ''لسانی و تحقیقی مطالعے'' میں لسانی حوالے سے ان کا آخری مضمون ''زبان کا مستقبل'' کے عنوان سے ہے۔ کسی زبان کا مستقبل بنیادی طور پر اس کے بولنے والوں پر منحصر ہوتا ہے۔ وہ اگر زبان کو عالمی حیثیت دلانا چاہتے ہیں تو اس میں دنیا کی دلچسپی کے موضوعات شامل ہونا ضروری ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں مختلف لسانیاتی تقاضوں کے پورا ہونے کے ساتھ ساتھ اس زبان میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا سامانِ تحقیق دستیاب ہونا بھی ناگزیر ہے۔ زبان کے مستقبل کے سلسلے میں ڈاکٹر شکیل نے درج ذیل چھ نکات کو خصوصی توجہ دی ہے:

۱۔ زبان استعمال کرنے والوں کی تعداد

۲۔ زبان میں لسانیاتی تقاضوں کو پورا کرنے کی قابلیت

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۳۔ زبان کی تہذیبی وتمدنی حیثیت

۴۔ زبان میں زمانے کی ضروریاتِ زندگی اور ماحول کے مطابق تبدیلی کی صلاحیت

۵۔ زبان میں دیگر زبانوں کے بولنے والوں کے لیے ثانوی زبان بننے کے امکانات

۶۔ زبان سے اس کے بولنے والوں کی محبت، عقیدت اور وقعت(۲۱)

بیسویں صدی کے ساتویں دہے میں اُردو لسانیات کے میدان میں جدید سائنسی ولسانیاتی بنیادوں کو ترویج دینے میں ڈاکٹر عبدالغفار شکیل کی لسانی تحریروں کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے۔ اُنھوں نے اُردو میں جدید لسانیاتی اُصولوں کے نظری مباحث کو فروغ دیا۔ ایسا کرنے میں اُنھیں ڈاکٹر مسعود حسین خاں جیسے ماہرِ لسانیات کی رفاقت میسر رہی۔ یہی نہیں بلکہ اُنھوں نے عملی لسانیات کے مختلف مباحث کو بھی اپنی لسانی تحریروں میں خاص جگہ دی۔ وہ شکاگو یونی ورسٹی کے زیرِ اہتمام ہندوستانی زبانوں کے سروے میں بھی شامل رہے۔ اُردو زبان کے حوالے سے پائے جانے والے مختلف لسانی نظریات میں اُن کا بنیادی نقطۂ نظر بھی وہی ہے، جس کی ابتدا اُردو میں ''مقدمۂ تاریخِ زبانِ اُردو'' کے ذریعے مسعود حسین خاں نے کی۔ دکنی اُردو کی تاریخ کے حوالے سے بھی اُن کا کام لائقِ تحسین ہے۔ اُردو اور ہندی کے حوالے سے سیاسی رجحانات کے زیرِ اثر ہندوستان میں کئی موڑ آئے، جن پر اُنھوں نے بھی قلم اٹھایا اور زبانوں پر سیاست سے زیادہ لسانیاتی حوالوں سے بات کرنے کو ترجیح دی۔ لسانیاتی حوالوں سے اُن کا کام اگرچہ قلیل ہے مگر اُردو لسانیات سے شغف رکھنے والوں کے لیے جدید مباحث کی نشان دہی بہرحال ضرور کرتا ہے۔

حواشی

۱۔ عبدالغفار شکیل، ''زبان ومسائلِ زبان''، (علی گڑھ: شعبۂ لسانیات، مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۷۴ء)، ص ۱۰

۲۔ ایل ایچ گرے (L.H. Gray)، *Foundatiosns of Language*، (نیو یارک: میکملن کمپنی، ۱۹۵۸ء)، ص ۱۳

اصل انگریزی متن ملاحظہ ہو:

(1) In its broadest and most general sense, language may be said to be any living being or beings whatsoever, and of communicating them to, or receiving them from, other living beings. (2) In its specific and usual sense, language is such expression and communication to or from human beings by means of speech and hearing, the sounds uttered or heard being so combined in systems evolved, conventionalized, and recognized by common usage at any given period in the history of the human race within a given community or

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

within given communities that they are mutually intelligible to all approximately normal members thereof. (3) In specific and derived senses, the term may be applied to other means of expression and communication between human beings, as by gedtures, signals, carved or written symbols, and the like, or even to sentiments supposed to be conveyed to or between human beings by means of inanimate objects.

۳۔ عبدالغفار شکیل، ’’زبان و مسائلِ زبان‘‘، ص ۱۴

۴۔ ایضاً، ص ۱۵

۵۔ گیان چند جین، ’’لسانی مطالعے‘‘، (نئی دہلی: ترقی اُردو بورڈ، ۱۹۷۹ء)، ص ۷۴

۶۔ عبدالغفار شکیل، ’’زبان و مسائلِ زبان‘‘، ص ۲۵

۷۔ ایڈگر ایچ اسٹرٹیونٹ، Edgar H. Sturtevant)، *Linguistic Change*، (الینائس: یونی ورسٹی آف شکاگو پریس، ۱۹۱۷ء)، ص ۱۴۶
اصل انگریزی متن ملاحظہ ہو:

A dialect is a body of speech which does not contain whitin itself any differences that are commonly perceived as such by its users.

۸۔ عبدالغفار شکیل، ’’زبان و مسائلِ زبان‘‘، ص ۳۰

۹۔ ایضاً، ص ۳۳

۱۰۔ ولیم ڈی وھٹنے، (William D. Whitney، *Language and the Study of Language*، (لندن: گلبرٹ اینڈ رونگٹن لمیٹڈ، ۱۸۶۷ء)، ص ۱۷۷

۱۱۔ عبدالغفار شکیل، ’’زبان و مسائلِ زبان‘‘، ص ۳۹

۱۲۔ ایضاً، ص ۶۸

۱۳۔ مسعود حسین خاں، ’’شعر و زبان‘‘، (حیدر آباد: شعبۂ اُردو، جامعہ عثمانیہ، ۱۹۶۶ء)، ص ۱۶۸۔۱۶۹

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۲۵

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۵۲

۱۶۔ عبدالغفار شکیل، ’’لسانی و تحقیقی مطالعے‘‘، (علی گڑھ: شعبۂ لسانیات، مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۷۵ء)، ص ۴

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ حافظ محمود شیرانی، ’’پنجاب میں اُردو‘‘ (لکھنؤ: مکتبۂ کلیاں، ۱۹۶۰ء)، ص ۴

۱۹۔ عبدالغفار شکیل، ’’لسانی و تحقیقی مطالعے‘‘، ص ۲۳

۲۰۔ ایضاً، ص ۵۳

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۹۳۔۱۹۴

مآخذ

۱۔ اسٹرٹیونٹ، ایڈگر ایچ، (Sturtevant, Edgar H.)، *Linguistic Change*، الینائس: یونی ورسٹی آف شکاگو پریس، ۱۹۱۷ء

۲۔ جین، گیان چند، ’’لسانی مطالعے‘‘، نئی دہلی: ترقی اُردو بورڈ، ۱۹۷۹ء

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۳۔ خاں، مسعود حسین، ''شعر و زبان''، حیدرآباد: شعبۂ اُردو، جامعہ عثمانیہ، ۱۹۶۶ء

۴۔ شکیل، عبدالغفار، ''زبان و مسائلِ زبان''، علی گڑھ: شعبۂ لسانیات، مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۷۴ء

۵۔ شکیل، عبدالغفار، ''لسانی و تحقیقی مطالعے''، علی گڑھ: شعبۂ لسانیات، مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۷۵ء

۶۔ شیرانی، حافظ محمود، ''پنجاب میں اُردو'' لکھنؤ: مکتبۂ کلیاں، ۱۹۶۰ء

۷۔ گرے، ایل ایچ (Gray, L. H.)، *Foundatiosns of Language*، نیویارک: میکملن کمپنی، ۱۹۵۸ء

۸۔ وھٹنے ولیم ڈی، William D. Whitney، *Language and the Study of Language* لندن: گلبرٹ اینڈ رونگٹن لمیٹڈ، ۱۸۶۷ء